گاؤں میں سکھ اور کھتریوں کی کچھ آبادی تھی۔ سکھوں میں جسونت سنگھ، دیوا سنگھ، درشن سنگھ اور جگت سنگھ اور کھتریوں میں رام لال اور نہال چند کے نام آج تک مجھے یاد ہیں۔ گاؤں کے چوک میں ان کی کریانہ کی دکانیں تھیں۔ نہال چند زرگری کا کام کرتا تھا۔ اس کی رہائش ہمارے گھر کے نزدیک تھی اور اپنے گھر میں ہی وہ اپنا کاروبار کرتا تھا۔ سکھ کھتری اور مسلمانوں کا آپس میں اچھا سلوک تھا اور ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شریک ہوتے تھے۔ جب ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم ہوئی اور سکھ اور کھتری ہمارے گاؤں سے جا رہے تھے تو ان جدائی کے لمحات میں میں نے، سکھوں۔ کھتریوں اور مسلمانوں کو روتے دیکھا۔ نہال چند کے گھر میں ایک بڑی پیٹی (سیف) پڑی تھی جو مقفل تھی۔ آس پاس کے مکین جو ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے ان کے بزرگ اکٹھے ہوئے اور قیاس آرائیاں کرنے لگے کہ سیف چونکہ مقفل ہے اس میں نہال چند کا جمع کیا ہوا دھن موجود ہوگا۔ سب نے صلاح مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ برادری کے تمام بزرگ اکٹھے ہوں اور ان کی موجودگی میں سیف کھلوایا جائے۔ جو کچھ سیف سے نکلے گا وہ آپس میں تقسیم کریں گے۔ چنانچہ ایک روز برادری کے تمام بزرگ اکٹھے ہو گئے اور سیف کو کھولنے کے لئے بابا حسن لوہار کو بلوایا۔ بابا حسن لوہار سیف کھولنے کے اوزار لے کر پہنچ گیا اور سیف کھولنے کے لئے کوشش شروع کر دی۔ میں پاس بیٹھ کر سب ماجرا دیکھ رہا تھا۔ تمام بزرگ سیف کے سامنے بیٹھ کر حقہ پی رہے تھے اور سب کی نظریں سیف کھولنے کی کارروائی پر لگی ہوئی تھیں اور خوش تھے کہ عنقریب مفت کی دولت ملنے والی ہے۔ سیف کافی مضبوط تھی۔ ایک گھنٹہ کی بھرپور کوشش کے بعد بابا حسن لوہار سیف کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ سیف کے دونوں بڑے خانے خالی ہیں۔ سیف کے اندرونی خانے بھی مقفل تھے۔ اب ان کو کھولنے کی کوشش کی جانے لگی۔ سب پرامید تھے کہ اندرونی خانوں میں ضرور مال ہوگا۔ جب اندرونی خانے کھولے گئے تو ان میں سے ایک خانہ خالی تھا اور دوسرے خانہ میں زیورات رکھنے والے ڈبے پڑے تھے۔ ڈبوں کو دیکھ کر سب خوش ہوئے کہ ان میں زیورات ہوں گے۔ لیکن یہ دیکھ کر سب کی امیدوں اور خوشیوں پر پانی پھر گیا کہ تمام ڈبے خالی تھے۔

## قمار بازی یا سیاسی میٹنگ

1975ء میں خواجہ محمدؐ طفیل بطور ایس۔ پی میانوالی تعینات تھے اور راقم بطور ایس ایچ او

Marfat.com

قمار بازی یا سیاسی میٹنگ

Marfat.com

تھانہ موچھ ضلع میانوالی فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ میانوالی شہر کے محلّہ پنوں خیل میں ان دنوں قمار بازی کا ایک بہت بڑا اور بدنام اڈا امیر خان پنوں خیل اور اس کے بھائی مسکین اللہ پنوں خیل کی زیرسرپرستی چلایا جارہا تھا جہاں لاکھوں روپے کی رقم داؤ پر لگائی جاتی تھی اور دور دراز سے بدنام قمار باز آ کر اس میں شرکت کرتے۔ مسکین اللہ پنوں خیل ایک بڑی سیاسی پارٹی کا میانوالی کا سیکرٹری جنرل بھی تھا۔ خواجہ محمد طفیل کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔ وہ ایک دیانتدار منصف مزاج اور مضبوط قسم کا پولیس افسر تھا۔ خواجہ صاحب کو بھی اس کی قمار بازی کے اڈے کی اطلاع مل چکی تھی کہ یہاں لاکھوں روپے کا جوا ہوتا ہے۔ انہوں نے ٹھان لی کہ اس اڈے کو ہر قیمت پر ختم کرنا ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے ایک ورکر کو اعتماد میں لے کر مکمل معلومات حاصل کیں اور ایک دن جب قمار بازی زوروں پر تھی دو بجے دن ایس۔ پی صاحب کی ہدایت پر پولیس نے مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ عمارت کا گیٹ مضبوط اور قلعہ نما دیواروں کی وجہ سے پولیس کو حویلی کے اندر داخل ہونے میں دشواری ہورہی تھی۔ اس سے حویلی کے اندر موجود لوگوں کو مہلت مل گئی اور اس اثنا میں انہوں نے قمار بازی کے آلات اور رقم وغیرہ ادھر اُدھر چھپادی۔ اور حویلی کے اندر کرسیاں اور چارپائیاں اسی انداز میں ڈال دیں جیسے لوگ بیٹھ کر کوئی میٹنگ کر رہے ہوں۔ یہ سب کچھ دروازہ کے اندر ایک چھوٹے سے سوراخ سے نظر آ رہا تھا اور بھگدڑ مچنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ریڈنگ پارٹی کی قیادت چوہدری جہانگیر ڈی۔ ایس۔ پی کر رہے تھے۔ پولیس پارٹی دروازہ زور سے کھٹکھٹاتی رہی۔ جب اندر سے سب کچھ ٹھیک کرلیا گیا تو بڑی سیاسی پارٹی کا سیکرٹری جنرل مسکین اللہ پنوں خیل 15/20 آدمیوں کے ہمراہ گیٹ پر آ گیا اور اندر سے گیٹ کھولتے ہی زور زور سے چلانا شروع کردیا کہ ایس۔ پی خواجہ محمدؐ طفیل جماعت اسلامی کے آدمی ہیں۔ اندر ہماری پارٹی میٹنگ ہورہی تھی انہوں نے ہماری پارٹی میٹنگ خراب کرنے کے لئے جماعت اسلامی کے اشارے پر چھاپہ مروایا ہے۔ چوہدری جہانگیر ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا کہ اندر تو جواء ہو رہا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ پارٹی میٹنگ ہورہی تھی۔ ''چور نالے چتر''۔ اس پر حالات خراب ہونے لگے لیکن ڈی ایس پی کی صبر آزما پالیسی کی وجہ سے بچ بچاؤ ہوگیا اور پولیس پارٹی ناکام واپس لوٹ گئی۔

مسکین اللہ پنوں خیل نے غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب کو اطلاع دی کہ ایس پی میانوالی نے

Marfat.com

بچے کو گھٹی

Marfat.com

جماعت اسلامی کے اشارے پر ہماری پارٹی میٹنگ پر پولیس کا چھاپہ مروا کر اسے خراب کر دیا ہے۔ جناب کھر صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً خواجہ محمد طفیل کی محکمہ سے برخواستگی کے آرڈر جاری کر دیئے۔ اس وقت کے انسپکٹر جنرل پولیس نے جناب ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کر کے اصل صورت حال سے آگاہ کیا جنہوں نے بعد میں خواجہ محمد طفیل صاحب کو بحال کر دیا۔

## بچے کو گھٹی

کمالیہ ایک تاریخی قصبہ ہے جس کے قریب سے دریائے راوی گزرتا ہے۔ آج کل کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کا تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے۔ لیکن 1978ء میں ضلع فیصل آباد کی سب تحصیل تھا۔ اس علاقہ میں کھرل، گادھی بلوچ، گوجر اور چدھڑ اقوام کی اکثریت ہے۔ دریاں کھیس وہاں کی مشہور مصنوعات ہیں۔ پولٹری فارم اور انڈوں کی پیداوار میں بھی صف اول میں اس کا شمار ہے۔ 1978ء میں، میں بطور سب ڈویژنل افسر کمالیہ تعینات تھا۔ راجہ مزمل حیات سب انسپکٹر بطور ایس ایچ او تھانہ کمالیہ تعینات تھا۔ بہادر، نڈر، راست گو اور دلیر پولیس افسر تھا۔ سردیوں کے موسم میں ایک سخت سرد رات جس میں ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی، تقریباً ایک بجے رات اردلی نے دروازہ پر آ کر گھنٹی بجائی۔ میں نے اندر سے ہی بغیر دروازہ کھولے اس سے دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ راجہ صاحب انچارج تھانہ کمالیہ باہر آئے ہیں اور وہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ اتنے خراب موسم اور بے گاہ وقت میں ایس ایچ او کا آنا خطرے سے خالی نہیں ہے، ضرور کوئی نہ کوئی سنگین واقعہ ہو گیا ہو گا۔ میں گرم چادر اوڑھ کر جلدی سے باہر آیا تو دیکھا کہ راجہ صاحب کمبل اوڑھنے کے باوجود سردی سے کانپ رہے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ راجہ صاحب خیریت تو ہے۔ انہوں نے انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتلایا کہ سر مبارک ہو میرے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ میں نے زچہ بچہ کی خیریت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ زچہ بچہ بالکل ٹھیک ہیں آپ کو اس بے گاہ وقت میں اس لیے تکلیف دی ہے کہ بچہ کو ''گھٹی'' آپ نے دینی ہے۔ (گھٹی وہ خوراک ہوتی ہے جو بچہ کو پیدا ہونے کے بعد پہلی دفعہ کھلائی جاتی ہے) میں خوشی خوشی راجہ صاحب کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ خوبصورت، پیارا، چاند سا بیٹا تھا جو دنیا کی پہلی خوراک حاصل کرنے کیلئے بے قرار نظر آ رہا تھا۔ میں نے بسم اللہ کر کے بچے کے

Marfat.com

منہ میں گھٹی ڈالی۔ اسے پیار کیا اور مستقبل روشن اور درازی عمر کی دعا کی۔

راجہ صاحب نے مجھے بتایا کہ کافی عرصہ آپ کے ساتھ کام کرنے کے بعد آپ کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ میری یہ خواہش تھی کہ جب بچہ پیدا ہوگا تو گھٹی آپ کے ہاتھوں سے دلواؤں گا اور اس کا نام بھی احمد رکھوں گا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور مجھے انتہائی خوشی بھی ہوئی کہ راجہ صاحب نے مجھے اس قابل سمجھا ہے۔

جب بھی راجہ صاحب مجھے ملتے ہیں میں بچے کی خیریت دریافت کرتا رہتا ہوں۔ بچے کا نام میرے نام پر احمد رکھا۔ گزشتہ دنوں راجہ صاحب نے بتایا کہ احمد فلائیٹ لیفٹیننٹ بھرتی ہو گیا ہے۔ مجھے یہ سن کر انتہائی خوشی ہوئی کہ میں نے منہ میں گھٹی ڈالتے وقت اس کے روشن مستقبل کی دعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ (آمین)

## نسلی بدمعاش

ذوالقرنین عرف لیکا سوتر منڈی لوہاری کا رہائشی ہے۔ یہ ایک بدنام چور اور نقب زن ہے۔ یہ عام طور پر بڑے شہروں کی مشہور مارکیٹوں میں واردات کرتا تھا۔ اس کا طریقہ واردات یہ تھا کہ مارکیٹ کی ریکی کر کے کسی دکان کو اپنا ٹارگٹ بنا لیتا۔ صبح کو اذان سے کچھ دیر پہلے گاڑی دکان کے سامنے کھڑی کر لیتا اور گینتی سے دکان کے تالے توڑ کر اندر سے تمام مال گاڑی میں رکھ کر رفو چکر ہو جاتا۔ فورٹریس سٹیڈیم مارکیٹ لاہور، راجہ بازار راولپنڈی اور ملتان میں اس نے نقب زنی کے ذریعہ کئی دکانوں سے مال چوری کیا۔ پاسپورٹ کے ذریعہ وہ دیگر ممالک جا کر بھی گھڑیوں کی دکانوں میں چوری کی واردات کرتا۔

ستمبر 1978ء میں، میں بطور انچارج تھانہ پیپلز کالونی تعینات تھا کہ ایک روز صبح سویرے فیصل آباد کی مشہور مارکیٹ ڈی گراؤنڈ کے تاجروں کا وفد میرے پاس آیا اور بتایا کہ ڈی گراؤنڈ کی ایک الیکٹرانکس کی دکان میں رات کو چوری ہو گئی ہے اور چور دکان میں پڑی تمام اشیاء اٹھا کر لے گئے ہیں۔ میں ان کے ہمراہ موقع پر گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دکان کے اندر بچھے ہوئے قالین کے علاوہ تمام اشیاء مجرماں دکان کے تالے توڑ کر اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ان اشیاء میں وی۔سی آر، ٹیپ ریکارڈر اور ڈیک وغیرہ شامل تھے۔

Marfat.com

دُکان کے مالک کے بیان پر تھانہ پیپلز کالونی میں نقب زنی کا مقدمہ درج کیا۔ میرے لئے یہ واردات ایک چیلنج تھی۔ مقامی اور گردونواح کے چور اور نقب زن شامل تفتیش کئے لیکن کوئی سراغ نہ چلا۔ اسی دوران میں سے تمام مسروقہ سامان کی فہرست تیار کی جس میں ہر آئٹم کی کمپنی اور نمبر تحریر کیا اور فہرست کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں تیار کر کے اپنے ملازمین کے ذریعہ فیصل آباد، ملتان، کراچی، لاہور اور راولپنڈی کی الیکٹرانکس کی مارکیٹوں میں ہر دکان پر تقسیم کرائیں۔ فہرست میں اشیاء کی تفصیل کے علاوہ مقدمہ نمبر، کیسے اور کہاں سے چوری ہوئیں اور نیچے اپنا پتہ، ٹیلیفون نمبر تحریر کر کے اطلاع دینے والے کے لیے انعام مقرر کیا۔

چند یوم گزرے مجھے مال روڈ لاہور کے ایک دکاندار نے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ چوری شدہ سامان کی جو فہرست آپ نے Circulate کی ہے اس کے متعلقہ ایک ٹیپ ریکارڈر ایک شخص فروخت کرنے کے لیے ان کی دکان پر کل لایا تھا۔ اس نے خریدا نہیں اور وہ شخص سامنے والی دکان پر فروخت کر کے چلا گیا۔ اس کے بعد شام کو پھر وہ شخص گاڑی میں کچھ سامان لایا جو اسی دکان پر دے گیا۔ آپ فوری طور پر چیک کر لیں۔ دکاندار نے اس دکان کا نام بھی مجھے بتلایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ اس کا نام صیغہ راز میں رکھا جائے۔ چونکہ یہ ایک اہم واردات تھی انجمن تاجران اور اپنے سینئر افسران کا واردات کو ٹریس کرنے کے لیے کافی دباؤ تھا۔ میں یہ اطلاع سنتے ہی بہت خوش ہوا۔ ایس ایس پی کو اطلاع دے کر مدعی مقدمہ اور چار ملازمین ہمراہ لے کر فوری طور پر لاہور روانہ ہو گیا۔

گیارہ بجے دن لاہور پہنچے۔ ریگل چوک میں اچ کریم بخش کی دکان کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور مقدمہ کے مدعی کو دکان کا ایڈریس دے کر ہال روڈ پر بھیجا اور اسے سمجھایا کہ متعلقہ دکان پر پہنچ کر ٹیپ ریکارڈر خریدنے کے بہانے اپنا سامان دیکھے۔ تقریباً نصف گھنٹہ کے بعد وہ خوشی خوشی واپس آیا۔ اس نے بتلایا کہ میں نے دکاندار کو ٹیپ ریکارڈر خریدنے کا کہا تو اس نے مختلف قسم کے ٹیپ ریکارڈر مجھے دکھائے۔ ان میں میرا ٹیپ ریکارڈر بھی تھا جو میں نے دکاندار سے خرید کر کے آدھی رقم ادا کر دی ہے اور آدھی رقم تھوڑی دیر کے بعد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میرا ٹیپ ریکارڈر دکان پر موجود ہے۔ میں نے ہال روڈ کے متعلقہ تھانہ گوجر سنگھ اطلاع دے کر ایک ہیڈ کانسٹیبل بلوا لیا جس کو اور اپنے ملازمین کے ہمراہ لے کے دکان پر ریڈ کیا۔ متعلقہ ٹیپ ریکارڈر

Marfat.com

قبضہ میں لے لیا جو مدعی نے درست طور پر شناخت کیا۔ رپورٹ ابتدائی میں اس کی تفصیل درج تھی۔ اب دکاندار سے بقایا مال کا مطالبہ کیا۔ اسی اثنا میں ہال روڈ کے انجمن تاجران کے صدر ملک عاشق اوران کے ساتھی آ گئے۔ ابتدا میں تھوڑی سی تلخی ہوئی لیکن جب میں نے ان کو صورت حال سے آگاہ کیا اوران کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ قانون کے احترام میں ہی عافیت ہے تو وہ مجھے اپنے یونین کے دفتر لے گئے۔ ملک عاشق فطرتاً ایک اچھا انسان تھا۔ اس کو میں نے سمجھایا کہ ہمارے چوری شدہ سامان کا اصل ٹیپ ریکارڈر دکان سے مل گیا ہے۔ اب ایک تو ہمیں بقایا مال دیں دوسرے مال بیچنے والے کے کوائف بتلائے جائیں۔ دکاندار اور یونین والوں نے علیحدہ میٹنگ کی۔ تھوڑی دیر بعد ملک عاشق نے کہا کہ وہ تمام سامان بھی دیتے ہیں اور سامان بیچنے والے کا نام و پتہ بھی بتلاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جس دکان سے ٹیپ ریکارڈر برآمد ہوا ہے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ میں نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ میں نے ملک عاشق صدر یونین کو کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ مجرمان پولیس کی اطلاع پا کر فرار نہ ہو جائیں، اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان کو قابو کیا جائے۔ انہوں نے بتلایا کہ اس نے پتہ کر لیا ہے جس شخص نے ان کو سامان فروخت کیا ہے اس کا نام ذوالقرنین عرف یوکا ہے اور وہ سوتر منڈی تھانہ لوہاری گیٹ کا رہائشی ہے۔ اس نے بقایا کچھ رقم ہمارے دکاندار سے لینی ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ اپنے دکاندار سے کہیں کہ ذوالقرنین عرف یوکا کو رقم لینے کے لیے ٹیلیفون کر کے بلائیں۔ چنانچہ ذوالقرنین عرف یوکا کو ٹیلیفون کرایا تو اس نے کہا کہ وہ آٹھ بجے رات شیزان ہوٹل میں رقم لینے پہنچ جائے گا۔ چنانچہ مقررہ وقت پر شیزان ہوٹل میں رقم لینے پہنچ گیا۔ میں نے اپنی پلاننگ مکمل کر کے سفید کپڑوں میں اپنے جوان شیزان ہوٹل کے باہر لگا دیئے تھے۔ دکانداروں کے ایک آدمی نے اس کی طرف اشارہ کر کے شناخت کرا دی۔ جب وہ ہوٹل سے باہر نکلنے لگا تو اسے قابو کر لیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کئی دیگر مقدمات میں مجرم اشتہاری ہے اور عرصہ دراز سے مقامی پولیس اس کا پیچھا کر رہی ہے۔

دس بجے رات ملک عاشق نے ہمارا تمام سامان واپس دلوا دیا۔ ہم سامان اور ملزم لے کر واپس فیصل آباد پہنچ گئے۔

دوسرے روز جب ذوالقرنین عرف یوکا کے وارثان کو پتہ چلا تو انہوں نے میرے خلاف

Marfat.com

عدالت عالیہ میں حبس بیجا کی رٹ دائر کر کے بیلف کو ملزم کی بازیابی کے لیے مامور کرالیا۔ میں نے تھانہ لوہاری سے اس خاندان کی مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں جہاں سے مجھے پتہ چلا کہ ذوالقرنین عرف یوکا تھانہ لوہاری گیٹ کا ہسٹری شیٹر ہے۔ اس کا باپ اسد اللہ خان بھی تھانہ لوہاری کا ہسٹری شیٹر اور دادا جھنڈے خان بھی اسی تھانہ کا ہسٹری شیٹر رہ چکا ہے۔

ذوالقرنین عرف یوکا کی دادی زینت بی بی کی طرف سے رٹ دائر کی گئی تھی۔ تمام خاندان جرائم پیشہ ہونے کی وجہ سے انتہائی ہوشیار اور چالاک ہے۔ ان کا خیال تھا کہ فیصل آباد پولیس کچھ دنوں کے بعد ضابطہ کے تحت گرفتاری ڈالے گی وہ فوراً اس کو پولیس کی حراست سے رہا کرا لیتے ہیں۔

عدالت عالیہ کے بیلف نے تھانہ پیپلز کالونی فیصل آباد میں چھاپہ مارا۔ ملزم ضابطہ کے تحت گرفتار ہو چکا تھا کیونکہ ہمیں یہ علم ہو چکا تھا کہ یہ خاندان عادی جرائم پیشہ ہے اور پولیس کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی کریں گے۔ بیلف نے روزنامچہ میں رپورٹ درج کی اور دوسرے روز عدالت عالیہ میں پیش ہونے کی ہدایت کی۔

دوسرے روز جب میں عدالت عالیہ میں پہنچ کر معزز جج صاحب کے پیش ہوا تو اُن کے وکیل نے مجھ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی اور مجھے ظالم اور سفاک پولیس افسر ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ساتھ ہی پر جوش لہجہ میں عدالت کو کہا کہ سر! وہ سامنے بڑھیا ضعیفہ بیٹھی ہے۔ یہ ملزم کی دادی ہے اور ساتھ ہی اسے اشارہ کیا کہ وہ اٹھ کر جج صاحب کے سامنے آئے۔ بڑھیا جھک کر لاٹھی کے سہارے جج صاحب کی طرف چلنے لگیں تو پھر وکیل صاحب نے جذباتی انداز میں کہا کہ سر جی دیکھیں اس عمر میں یہ بیچاری مظلومہ ذلیل ہو رہی ہے۔ معزز جج صاحب کے تیور بدلنے لگے اور چہرہ پر غصہ کے آثار نمودار ہونے لگے تو میں فوراً بولا کہ سر جی مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ سب سے پہلے میں نے مختصر مقدمہ کے حالات، مال کی برآمدگی اور ملزم کی گرفتاری وغیرہ کے متعلق بتلایا۔ پھر میں نے کہا کہ جناب عالی وکیل صاحب جو اس بڑھیا عورت کو بیچاری اور مظلومہ بیان کر رہے ہیں اس عورت کا خاوند جھنڈے خان تھانہ لوہاری گیٹ کا ہسٹری شیٹر ہے۔ اس بیچاری مظلومہ کا بیٹا اسد اللہ خان (ملزم کا والد) تھانہ لوہاری گیٹ کا ہسٹری شیٹر ہے اور اس بیچاری مظلومہ کا پوتا ذوالقرنین عرف یوکا اس تھانہ کا ہسٹری

Marfat.com

شیئر ہے۔ یہ سارا خاندان عادی جرائم پیشہ اور نسلی بدمعاش ہیں۔ جج صاحب نے حیران ہو کر ان کے وکیل کو مخاطب ہو کر کہا کہ کیا یہ درست ہے۔ وکیل صاحب پہلے سے ذرا دھیمے لہجہ میں فرمانے لگے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ میں نے عدالت سے کہا کہ ابھی تھانہ لوہاری گیٹ سے تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔ تصدیق کرانے پر میری بات درست ثابت ہوئی اور عدالت نے ان کی رٹ خارج کر دی۔

## میر مرتضیٰ بھٹو کا قتل

بھٹو خاندان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے عجیب حالات و واقعات سامنے آتے ہیں۔ کمال اور زوال کی داستان میں کئی اہم راز پنہاں ہیں۔

20 ستمبر 1996ء کو میر مرتضیٰ بھٹو قریب 9 بجے رات اپنے گھر 70 کلفٹن سے تھوڑے فاصلہ پر پولیس کی فائرنگ سے زخمی ہوئے جب کہ وہ سرجانی گاؤں ایک سیاسی جلسہ سے واپس 70 کلفٹن آ رہے تھے۔ زخمی حالت میں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں وہ انتقال کر گئے۔

اس واقعہ کے متعلق ملک کی سطح پر ایک تفتیشی ٹیم تشکیل دی گئی جس میں پنجاب پولیس کی طرف سے میرا انتخاب ہوا۔ اس وقت میں بطور ایس پی سی آئی اے اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ تین بجے دن مجھے ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع ملی کہ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب ذوالفقار علی قریشی کا حکم ہے کہ آپ فوری طور پر ان کی رہائش گاہ پر پہنچ جائیں۔ میں ان کی رہائش گاہ واقع جی۔او۔آر (ا) پہنچا۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے کہ آپ کو پنجاب پولیس کی طرف سے میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کی تفتیش کے لیے منتخب کیا گیا ہے، آج ہی ہوائی جہاز کے ذریعے کراچی پہنچ جائیں۔ ٹکٹ کا انتظام ہو گیا ہے۔ ائیر پورٹ پر ٹکٹ لے کر آدمی آپ کے انتظار میں ہوگا۔ میں سیدھا گھر پہنچا۔ کپڑوں کا بیگ لیا اور ائیر پورٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں انچارج چوکی پولیس ائیر پورٹ میری ٹکٹ او کے کرا کے انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ٹکٹ میرے حوالے کی۔ شام کی فلائٹ پر میں کراچی پہنچا۔ ایک ڈی ایس پی مجھے لینے کے لئے ائیر پورٹ پر پہنچے ہوئے تھے۔ وہ مجھے سیدھا پولیس کلب لے گئے۔ دوسرے روز تک ٹیم کے دوسرے ممبران بھی آ گئے جس میں آئی بی۔ آئی

Marfat.com

ایس آئی اور ایف آئی اے کے افسران بھی شامل تھے۔شام کو اطلاع ملی کہ کل 10 بجے دن جناب ممتاز علی بھٹو وزیر اعلیٰ سندھ نے تفتیشی ٹیم کی میٹنگ بلائی ہے۔یاد رہے کہ ان دنوں مقتول کی ہمشیرہ بے نظیر بھٹو ملک کی وزیر اعظم تھیں۔وفاقی وزیر داخلہ نصر اللہ بابر اور کراچی کے ڈی آئی جی جناب ڈاکٹر محمد شعیب سڈل تھے۔محمد شعیب سڈل ایک دراز قد، سمارٹ، خوبصورت وضعدار شخصیت اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک پولیس آفسر ہیں۔وزیر اعلیٰ سندھ نے تفتیشی ٹیم کے ساتھ میٹنگ کی جس میں، میں بھی شامل تھا۔انہوں نے ٹیم کو مختصر سے خطاب میں کہا کہ آپ کی ٹیم سارے ملک سے منتخب کی گئی ہے۔ہم صرف صحیح حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ واقعہ کیسے اور کیوں ہوا اور اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔میٹنگ سے فارغ ہو کر ہم نے اپنا کام شروع کیا۔سب سے پہلے ابتدائی رپورٹ اور فائل کا مطالعہ کیا۔ایک خاص بات ہمارے سامنے یہ تھی کہ اس واقعہ کے متعلق تین رپورٹیں ابتدائی درج ہو چکی تھیں۔

پہلی رپورٹ ابتدائی مورخہ 20 ستمبر 1996ء کو حق نواز سیال انسپکٹر انچارج تھانہ کلفٹن کراچی ساؤتھ کے بیان پر درج ہوئی جس کا نمبر 382 جرم 353/427/186/147/148 تعزیرات پاکستان ہے جس میں تحریر ہے کہ آج وہ زیر نگرانی محمد طاہر درخشاں، شاہد حیات خان اے ایس پی صدر سب انسپکٹر شبیر احمد ایس ایچ او تھانہ گارڈن آغا مہد جمیل ایس ایچ او تھانہ نیپئر اس اطلاع پر کہ مشتبہ گان مطلوبہ 106/96 جرم 452/225/353/149/148/147 تعزیرات پاکستان تھانہ نیپئر کراچی جو کہ شہید بھٹو گروپ کے سربراہ میر مرتضیٰ بھٹو کے محافظ ہیں کی مختلف گاڑیوں میں 70 کلفٹن آمد متوقع ہے۔سنیئر افسران کی اجازت سے ان کو شامل تفتیش کرنے کے لیے نیو کلفٹن گارڈن موجود تھا کہ وقت 9 بجے رات مشتبہ گان چار گاڑیوں پر متذکرہ جگہ پہنچے۔حق نواز انسپکٹر نے ہمراہی پولیس کی مدد سے روکنے کا اشارہ کیا۔ملزمان نے اپنی گرفتاری کو یقینی سمجھتے ہوئے اپنے زیر استعمال گاڑیوں ڈبل کیبن، پجاور جیپ کے اندر اور باہر سے اسلحہ تان لیا۔دوسرے نمبر پر پجارو کی فرنٹ پر موجود میر مرتضیٰ بھٹو صاحب نے اپنے مسلح محافظوں کو بلند آواز میں حکم دیا کہ ان پولیس کے کتوں کو مارو جس پر گاڑیوں میں موجود اسلحہ برداروں نے پولیس پر فائرنگ شروع کر دی۔حق نواز انسپکٹر اور اے ایس پی صدر گولیاں لگنے سے زخمی ہو گئے۔پولیس کی گاڑیوں کو نقصان پہنچا۔حفاظت خود اختیاری و ملازمان کی گرفتاری کے پیش نظر پولیس پارٹی نے

Marfat.com

بھی جوابی فائرنگ کی جس سے مذکورہ گاڑیوں کے اندر اور باہر موجود ملازمان زخمی ہوئے۔

دوسری رپورٹ ابتدائی اس واقعہ کے متعلق مورخہ 24 ستمبر 1996ء کو اصغر علی ولد کریم بخش ساکن 70 کلفٹن کراچی نے مقدمہ 399 جرم 302/319/324 تھانہ کلفٹن کراچی سا ؤتھ درج کروائی۔ جس میں انہوں نے بیان دیا کہ میں میر مرتضیٰ بھٹو کا ذاتی ملازم ہوں۔ مورخہ 20 ستمبر 1996ء بروز جمعہ 6 بجے شام میں میر صاحب کے ہمراہ ان کی پجارو میں 70 کلفٹن سے مسیحی برادری والوں کے پاس سرجانی ٹاؤن گئے۔ میر صاحب نے وہاں دفتر کا افتتاح کیا اور تقریر کی۔ اس کے بعد سندھیوں کے گاؤں گئے۔ وہاں سیاسی جلسہ کیا اور ایک گھنٹہ ٹھہرے۔ اس کے بعد میر صاحب نے عاشق جتوئی، ڈاکٹر مظہر میمن، اسماعیل، آصف، اختر علی، محمود، غلام مصطفیٰ قیصر، رحمان بروہی، عبدالستار، یار محمد بلوچ، سجاد حیدر، وجاہت، جوکھیو، امیر بخش اور ابراہیم گپول کے ہمراہ گاڑیوں میں 70 کلفٹن کے لیے روانہ ہوئے۔ اس پجارو میں میر صاحب کے علاوہ عاشق جتوئی تھا جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ میر صاحب فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ یار محمد بلوچ پیچھے والی سیٹ میں اور آصف سامان والی جگہ پر بیٹھے تھے ایک پولیس موبائل ان کے ساتھ چلتی رہی۔ جب یہ دو تلوار والے چوک سے آگے کلفٹن گارڈن کراس کر رہے تھے تو پولیس ان کے سامنے آ گئی اور انہیں روک لیا۔ اتنے میں ایک آواز آئی ''کوئی فائر نہیں کرے گا''۔ دو منٹ بعد فائرنگ شروع ہوگئی۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے سیٹ کے نیچے لیٹ گیا۔ دس منٹ بعد میر صاحب کو آواز دی۔ بابا آپ خیریت سے ہیں''؟ میر صاحب نے ''اوں'' میں جواب دیا۔ ''اوں'' کا جواب سن کر میں گھبرا گیا اور ان کی طرف دیکھا تو میر صاحب کے منہ سے خون بہ رہا تھا۔ اور عاشق جتوئی گاڑی کے سٹیرنگ پر گرا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا کہ ایمبولینس منگواؤ۔ میں نے گاڑی کی کھڑکی سے منہ باہر نکال کر کہا کہ خدا کے واسطے فائرنگ بند کر دیں۔ اس دوران مجھے بھی گولی لگی اور زخمی ہوگیا۔ دس پندرہ منٹ بعد بکتر بند گاڑی کی آواز سنی جو ہماری گاڑی کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ اور ایک آواز آئی کہ ادھر آؤ میر صاحب کو نکالنا ہے۔ پولیس میر صاحب کو گاڑی سے نکال رہی تھی کہ میں بھی گاڑی سے نکل آیا اور کہا کہ زخمی ہوں ہسپتال پہنچاؤ۔ مگر انہوں نے مجھے ساتھ نہیں لیا اور میری تلاشی لینی شروع کر دی۔ میں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پر پولیس والوں نے کہا کہ تم نیچے لیٹ جاؤ اور پھر ایک طرف لے جا کر فٹ پاتھ پر دوسروں

Marfat.com

کے ساتھ لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر کپڑا رکھ کر کلفٹن تھانہ لے گئے اور تھانہ کی لاک اپ میں بند کر دیا۔ پھر جناح ہسپتال لے گئے۔ علاج معالجہ کے بعد ہتھکڑی لگا دی۔ وہاں پتہ چلا کہ میر صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ عاشق جتوئی، وجاہت جوکھیو، یار محمد بلوچ، سجاد حیدر گاکھڑ، عبدالستار اور رحمان بروہی بھی مارے گئے ہیں۔ ڈاکٹر مظہر میمن اور اسماعیل بھی گولیوں سے زخمی ہیں۔ دو راتوں بعد پولیس کی حراست میں تھانہ کلفٹن آیا۔ یہاں پر غلام مصطفیٰ، محمود، آصف، وقار، قیصر اور اصغر علی بھی بند تھے۔ آج سنتری کے ذریعہ تھانیدار سے بات کی کہ اس کی طرف سے واقعہ کی رپورٹ درج کی جاوے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ پولیس نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے فائرنگ کی اور میر صاحب اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کیا اور اسے اور دوسروں کو زخمی کر یا۔

اس واقعہ کے متعلق تیسری رپورٹ ابتدائی مورخہ 9 نومبر 1996ء کو مقدمہ 443 جرم 120/AB 324/302 تعزیرات پاکستان تھانہ کلفٹن ساؤتھ کراچی عدالت عالیہ کے حکم پر درج ہوا۔ اس طرح سے اس واقعہ کی تین ابتدائی رپورٹیں مرتب ہوئیں۔

تینوں رپورٹ ابتدائی اور فائل کا بغور مطالعہ کیا۔ میں نے اور مسٹر اختر علی جھانوری ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے نے موقع کا ملاحظہ کیا۔ اور مسز غنویٰ بھٹو بیوہ میر مرتضیٰ بھٹو سے 70 کلفٹن میں ملاقات کر کے ان کا موقف معلوم کیا۔ راؤ عبدالرشید سابقہ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب بھی وہاں موجود تھے۔ 70 کلفٹن کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔

تمام حالات و واقعات کی تفصیلات کے بعد دو اہم نکات ہمارے سامنے تھے۔

الف۔ یہ واقعہ پولیس کے افسران کی Misplanning اور Mishandling کی وجہ سے ہوا ہے تو اس کے ذمہ دار کون کون ہیں۔

ب۔ یہ واقعہ کسی پیشگی منصوبہ بندی اور سازش کا نتیجہ ہے جو پولیس کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔ یا پولیس کو لاعلمی میں کسی خفیہ ہاتھ نے استعمال کر لیا ہے۔

جہاں تک جز الف کا تعلق ہے حالات و واقعات اور چشم دید شہادت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ واقعہ پولیس افسران کی Misplanning اور Mishandling سے ہوا ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ میر مرتضیٰ بھٹو کے گن مینوں کی طرف سے فائرنگ کی ابتدا ہوئی ہے تو اس فائرنگ کی سنگینی اس حد تک نہیں تھی کہ جوابی فائرنگ میں ان پر گولیوں کی سیدھی بوچھاڑ کر دی

Marfat.com

جائے۔ پولیس کی ٹریننگ اور نظم وضبط ہرگز اجازت نہیں دیتا بلکہ پولیس سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ ایسے حالات میں وہ اتنا بڑا غلط قدم اٹھائے۔

موقع پر اس اپریشن کی نگرانی براہ راست واجد درانی ایس ایس پی ساؤتھ کراچی کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپریشن پر مامور افسران کو صحیح طریقہ سے بریف نہیں کیا تھا اور جلد بازی میں ہی یہ سب کچھ ہوگیا۔ باقی افسران و ملازمان جنہوں نے موقع پر فائرنگ کی ایکسپرٹ کی رپورٹ کے مطابق جن جن کے اسلحہ سے فائرنگ کی گئی وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

جہاں تک جزب کا تعلق ہے مسٹر مسعود شریف سابق ڈائریکٹر جنرل آئی بی اور مسٹر واجد درانی سابق ایس ایس پی ساؤتھ کراچی جو کہ مقدمہ 443/96 جرم 302 تعزیرات پاکستان میں گرفتار تھے سے انٹروگیشن کی گئی تھی اور بقایا پولیس افسران جن میں ڈاکٹر محمد شعیب سڈل سابق ڈی آئی جی کراچی بھی شامل ہیں کے بیانات حاصل کے گئے تھے انٹروگیشن بیانات اور تفتیش سے بظاہر کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے اس واقعہ میں کسی پولیس افسر کی ملی بھگت پائی جاتی۔

کچھ عرصہ قبل کراچی شہر کے حالات اس قدر خراب ہوگئے تھے کہ عام شہری کی صرف مال و جان ہی نہیں بلکہ عزت بھی محفوظ نہیں تھی۔ قتل وغارت، اغوا برائے تاوان، ڈکیتی، راہزنی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ اس سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ حکومت کی مقتدر شخصیات نے فیصلہ کیا کہ جب تک کراچی پولیس کو Free Hand نہیں دیا جائے گا یہاں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کراچی پولیس کو فری ہینڈ دے دیا گیا۔

فری ہینڈ ملنے سے کراچی پولیس کو سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ خان بابر، وزیر اعلیٰ سندھ سید عبد اللہ شاہ اور آصف علی زرداری کی آشیر باد حاصل ہوگئی۔ حتیٰ کہ سابق وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کی نیک خواہشات بھی پولیس کے ساتھ شامل ہوگئیں۔

پولیس کو فری ہینڈ دینے سے بلاشبہ کئی خطرناک اور بدنام شر پسند عناصر جنہوں نے کراچی شہر کا امن تباہ کر رکھا تھا وقتاً فوقتاً پولیس کے ساتھ مقابلوں میں مارے گئے اور متعدد گرفتار بھی ہوگئے۔ اس سے کراچی شہر میں دن بدن امن کی فضا پیدا ہوتی گئی اور شہر میں کرائم کا گراف بھی کافی نیچے آ گیا جس سے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کا کریڈٹ ڈاکٹر محمد شعیب سڈل اور ان کی ٹیم کو جاتا

Marfat.com

ہے۔

دوسری طرف پولیس کو فری ہینڈ دینے سے جہاں مثبت نتائج برآمد ہوئے وہاں ایک منفی پہلو یہ سامنے آیا کہ کراچی پولیس مقابلوں میں جوابی فائرنگ میں اپنی حدود سے نہ صرف تجاوز کرنے لگی بلکہ اپنے اصل اختیارات کو بھول گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میر مرتضٰی بھٹو کے گن مینوں کی طرف سے 1/2 فائر کے جواب میں ان پر سیدھی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ اِس کے نتیجہ میں نہ صرف اتنا بھاری جانی نقصان ہوا بلکہ حکومت کو شدید اور نا قابل تلافی دھچکا لگا جس کے اثرات انتہائی خطرناک ثابت ہوئے۔

میر مرتضٰی بھٹو کے گن مینوں نے 3/4 مواقع پر رینجرز اور پولیس کے روکنے پر رائفلیں کاک کر کے سیدھی کر لیں جس سے رینجرز اور پولیس پیچھے ہٹ جاتی۔ اس سے گن مینوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے جس سے پولیس کے افسران و ملازمین پر نفسیاتی دباؤ بڑھ چکا تھا۔ اور اس بات کا ان کو یقین تھا کہ میر مرتضٰی بھٹو کے گن مین روکنے پر پولیس پر فائرنگ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس لئے انہوں نے میر مرتضٰی بھٹو کے گن مینوں کی طرف سے 1/2 فائر کرنے پر ان پر گولیاں برسا دیں۔ عام طور پر نا تجربہ کار اور بزدل لوگ خوف زدہ ہو کر ایسا کر گزرتے ہیں۔

موقع پر موجود افسران و ملازمین پر اپنے سینئر افسران کی طرف سے دباؤ تھا کہ گن مینوں کو روک کر چیک کرنا ہے جب کہ ان افسران کی خواہش نہیں تھی لیکن اپنے سینئر افسران کے خوف سے بادل نخواستہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایسے حالات میں انسان پر اعتماد ہو کر اپنا کام صحیح طور پر نہیں کر پاتا۔

دونوں اے ایس پی صاحبان راؤ طاہر اور شاہد حیات کی سروس بہت کم تھی اور تجربہ بہت کم تھا۔ ان کے ساتھ جو فورس تھی ان میں اکثریت نئے نوجوانوں کی تھی جو تھوڑا عرصہ ہوا ٹریننگ کر کے واپس آئے تھے اور ان کو عملی زندگی میں کام کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ان سب کو SMG رائفل سے لیس کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے 1/2 فائر ہونے پر درختوں کے ساتھ پوزیشنیں لے لیں اور سیدھی گولیاں میر مرتضٰی بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گاڑیوں پر مارنی شروع کر دیں۔

تجربہ کار افسر حالات کے مطابق "Situation" کو کنٹرول کر لیتے ہیں۔ ایسے حالات میں صبر، حوصلہ اور بردباری سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اے ایس پی اور ایس ایچ او کلفٹن

Marfat.com

زخمی ہو بھی گئے تھے تو پولیس کو حوصلہ اور بردباری سے کام لے کر ضرورت کے مطابق کارروائی کرنی چاہیے تھی۔

واجد علی درانی ایس ایس پی ساؤتھ کراچی جو اس آپریشن کی نگرانی کر رہے تھے کو اچھی طرح علم تھا کہ میر مرتضیٰ بھٹو نہ صرف پرائم منسٹر کا بھائی ہے بلکہ وہ خود ایم پی اے ہے اور ایک سیاسی پارٹی کا سربراہ بھی ہے۔ اس کی موجودگی میں اگر اس کے گن مینوں کو روک کر چیک کیا گیا تو وہ ضرور مداخلت کرے گا جس کے نتائج خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا نہ ہی جگہ کا تعین درست کیا گیا تھا اور نہ ہی آپریشن کا وقت مناسب تھا۔ انہوں نے جلد بازی میں ناتجربہ کار افسران کی ڈیوٹی لگا کر اور مناسب طریقہ سے بریفنگ اور پلاننگ نہ کر کے نہ صرف اپنے آپ کو رسوا کیا ہے بلکہ اس سے تمام پولیس فورس بدنام ہوئی ہے۔ اور اس واقعہ نے ملک کی سیاست پر گہرے اور ان مٹ منفی اثرات چھوڑے ہیں۔

ان تمام زیر بحث حالات و واقعات کی روشنی میں پایا گیا کہ ڈیوٹی پر موجود پولیس ارادتاً یا دانستہ طور پر اس واقعہ میں ملوث نہیں ہے۔ البتہ یہ واقعہ پولیس افسران کی Misplaning اور Mishandling اور حفاظت خود اختیاری کی حدود سے سراسر تجاوز کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک حق نواز سیال انسپکٹر انچارج تھانہ کلفٹن کی موت کا تعلق ہے وہ بلاشبہ خودکشی ہے۔

ہاں البتہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی کسی خفیہ ہاتھ نے پولیس کے کسی ملازم کو Hire کر رکھا ہو اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہو۔ تفتیش کے دوران ایک بات یہ بھی سامنے آئی تھی کہ میر مرتضیٰ بھٹو کو آصف علی زرداری سے سخت نفرت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے واش روم میں آصف علی زرداری کا پوسٹر لگایا ہوا تھا۔

## والدہ کا انتقال

2000ء میں، میں بطور ایس ایس پی ڈیرہ غازی خان تعینات تھا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا سانحہ جو میرے ساتھ پیش آیا یہ تھا کہ میری پیاری ماں اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔ میری ماں میرے پاس ڈیرہ غازی خان رہ رہی تھیں۔ ان کے زیر سایہ میرا وقت پرسکون گزر رہا تھا۔

8 مارچ 2000ء کو میری والدہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمانے لگیں کہ ''پتر زندگی دا کوئی

Marfat.com

پتہ نہیں۔ مرن حق دا راہ اے۔ میرا خیال اے کہ میں عید قربانی اپنے چک وچہ کراں جتھے دوجے پتر، دھیاں تے بھین بھراواں نوں وی مل لواں''۔ یادرہے کہ 18 مارچ کو عید قربانی تھی۔ میں نے کہا اماں جی میرا دل تو نہیں چاہتا کہ آپ گاؤں چلی جائیں لیکن آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے جیسے آپ حکم کریں۔ چنانچہ 13 مارچ بروز اتوار اماں جی کو ان کی خواہش پر اپنے گاؤں چک نمبر 152 شمالی ضلع سرگودھا پہنچایا گیا۔ مورخہ 28 مارچ کو مجھے ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع ملی کہ اماں جی کی طبیعت ناساز ہے۔ میں رخصت لے کر 29 مارچ کو ساڑھے چھ بجے صبح گاؤں کے لیے روانہ ہوگیا۔ دو بجے دن گاؤں پہنچا۔ اماں جی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں میں نے اماں جی کو سلام کیا انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے پیار کیا اور میرا ماتھا چوما۔ دوسرے دن اماں جی کی طبیعت سنبھل گئی۔ چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور مجھے کہا کہ ''پتر ہن میں بالکل ٹھیک آں''۔ میں نے اماں جی سے اجازت لی اور لاہور کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستہ میں سلانوالی سے کچھ دوائیاں لے کر بھجوادیں اور تین بجے دن لاہور پہنچ گیا۔ محمد اشرف بڑا بیٹا بھی ہمراہ تھا۔

یکم اپریل کو چار بجے شام لاہور سے ڈیرہ غازی خان کے لیے اپنی اہلیہ اور بیٹی مریم کے ہمراہ روانہ ہوکر ڈیڑھ بجے رات ڈیرہ غازی خان پہنچ گئے۔ اسی رات سوا چھ بجے صبح میرے بیٹے محمد اشرف نے فون پر اطلاع دی کہ دادی اماں اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''۔ مجھے ماں کے انتقال کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اب دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔ ٹیلیفون بند کیا تو میری اہلیہ نے پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ میں نے اس کو والدہ کے انتقال کی خبر سنائی۔ ہم فوری طور پر تیار ہوکر گاؤں کے لیے روانہ ہوگئے۔ دو بجے دن گاؤں پہنچ گئے۔ محترمہ والدہ مرحومہ کی زیارت کی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے سکون سے سو رہی ہیں اور ابھی نیند سے اٹھ کر میرا ماتھا چوم لیں گی۔ میں نے اماں جی کو آواز دی جواب نہ ملا پھر آواز دی پھر کوئی جواب نہ ملا۔ جواب کیسے ملتا اتنی باہمت، بلند حوصلہ اور مضبوط اعصاب والی ماں موت کے آگے بے بس ہوچکی تھی۔ دیکھتے ہی بسم اللہ کہنے والی اور ہر سانس پر دُعائیں دینے والی ماں شاید بے خبر تھی کہ ان کا بیٹا ڈیرہ غازی خان سے گاؤں پہنچ چکا ہے۔ دُعاؤں کا منبع ختم ہوگیا۔ میں غم سے نڈھال ہوچکا تھا لیکن ''ان اللہ مع الصابرین'' اور ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' بار بار پڑھ کر اپنے آپ کو تسلی اور سہارا دیتا رہا۔

عزیز و اقارب دوست احباب اطلاع پا کر پہنچ گئے لاہور سے میرے بیٹے محمد اشرف، شاہد

Marfat.com

احمد، عمران احمد بمعہ اپنی بہنوں اور بیوی بچوں کے بھی پہنچ چکے تھے۔ بعد نماز عصر نماز جنازہ پڑھی گئی اور مغرب کی نماز سے پہلے پہلے پیاری ماں کو سپرد خاک کیا۔ عجب سماں تھا۔ ادھر سورج غروب ہو رہا تھا اور ادھر میری ماں کی مرقد پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ تجہیز و تکفین کا کام مکمل ہو گیا۔

اللہ کی رضا کے سامنے بے بس بیٹے اپنی ماں کو اللہ کے حوالہ کر کے واپس اپنے گھر لوٹے مہمانوں کو کھانا کھلایا۔ تمام عزیز و اقارب اور احباب کے ہوتے ہوئے بھی میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کر رہا تھا اور ان کی شفقتوں کو یاد کر رہا تھا۔ اب گھر میں میرا اور میرے ٹیلیفون کا انتظار کون کرے گا۔ قدم قدم پر دعائیں کون دے گا۔ میری ماں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مرقد پہ تیری ہو رحمت کا نزول
ساتھی ہو تیرا خدا اور اس کا رسول

تمام عمر میری یہ خواہش رہی کہ میری ماں زیادہ عرصہ میرے پاس رہیں تا کہ مجھے اُن کی خدمت کا موقع ملتا رہے۔ میری ماں صوم و صلوٰۃ کی پابند، انتہائی نیک خاتون تھیں۔ ان کی عمر نوے برس تھی۔ بغیر کسی سہارے کے چل پھر سکتی تھیں۔ نماز پنجگانہ خود وضو کر کے ادا کرتیں۔ اکثر میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے بیدار کر دیتیں۔ ماں الفت، پیار، ایثار، قربانی اور نصرت و کامرانی کا مرقع ہے۔ ماں دعاؤں کا منبع ہے۔ ماں ایک ایسا پھول ہے جس کی خوشبو سارے گھر کو معطر کر دیتی ہے۔ ماں ایک انمول ہیرا اور نایاب تحفہ ہے۔ ماں ایک ایسی ہستی ہے جو تمام بلاؤں اور آفات کے لیے ڈھال کا کام دیتی ہے۔ ماں ایک ایسا استاد ہے جس کی تعلیم و تربیت سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ ماں پیر بھی ہے اور مرشد بھی۔ ماں کائنات میں ایک ایسی ہستی ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ماں وہ شفیق ہستی ہے جس کے پاؤں تلے جنت ہے۔ ماں ایک ایسا درخت ہے جس کی چھاؤں تلے ٹھنڈک اور راحت ملتی ہے۔ ماں ایک ایسا محور ہے جس کے گرد سارا خاندان گھومتا ہے۔ نظام ہستی میں ماں کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے۔ ماں دنیا میں سب سے مہنگی اور قیمتی چیز ہے۔ ماں ہر شخص کو دنیا میں صرف ایک بار ملتی ہے۔ ماں دنیا سے رخصت ہو جائے تو دوسری دفعہ کسی صورت میں نہیں مل سکتی۔ ماں الفت، پیار، محبت، شفقت، ایثار و قربانی کی عظمتوں کا پیکر ہے۔ ماں کا دل اولاد کے لیے پیار و محبت کا سب سے بڑا مسکن ہے۔ ماں ایک ایسی ہستی

Marfat.com

ہے جس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی دُعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ماں مرنے کے بعد بھی اولاد سے اپنا رشتہ قائم رکھتی ہے۔

اخبار ''روزنامہ خبریں'' مورخہ 19 اپریل 2000ء کے سنڈے میگزین میں ''ممتا کا کرشمہ'' کے عنوان سے اے ایم انصاری دامان روڈ شکر گڑھ نارووال نے ایک واقعہ تحریر کیا ہے جو ملاحظہ فرمائیں۔

''میری والدہ محترمہ کو فوت ہوئے ایک طویل مدت بیت گئی ہے۔ والد محترم میرے بچپن میں ہی رحلت فرما گئے تھے۔ میں سکول میں لائق اور ذہین طالب علم تھا۔ ان ہی دنوں مجھے ضعف دماغ اور دائمی دردسر کا مرض لگ گیا۔ والدین کی موت کا غم اس پر سر درد کی تکلیف میں نے مجبوراً سکول چھوڑ دیا۔ میرا ہینڈ رائٹنگ بہت اچھا تھا سو خطاطی میرا ذریعہ معاش بن گیا۔ میں نے ابھی تک شادی نہ کی تھی تجرد کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ میں اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ ایک رات اچانک میرے پیٹ میں شدید درد ہونے لگا اور شدت درد سے میں بُری طرف تڑپنے لگا۔ باہر موسم خراب تھا بارش اور اندھیرا تھا اور جسم کو سن کر دینے والی یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسی خراب موسم میں ڈاکٹر کو کون بلاتا۔ میں نے بڑی ہمت سے ایک دو بار اُٹھ کر ڈاکٹر کے پاس جانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ میں آخری سانس لیتا ہوا قریب المرگ تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ہمارے شہر کے مشہور ڈاکٹر صاحب اپنا بیگ اٹھائے میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے چیک کیا۔ دوا دی اور ٹیکہ لگایا۔ چند ہی لمحوں میں میں نے کافی افاقہ محسوس کیا۔ ہوش درست ہونے پر میں نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آپ کو میری بیماری کی اطلاع کس نے دی۔'' یہ بزرگ خاتون غالباً آپ کی والدہ صاحبہ تھیں جو میرے کلینک پر مجھے بلانے گئی تھیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میرا بیٹا شدید تکلیف میں ہے اس کے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔ جلدی سے میرے ساتھ چلو اور مجھے اپنے ساتھ یہاں لائی ہیں۔ اور اب کہاں ہیں؟ میں نے جلدی سے بڑے تجسس اور حیرانی سے پوچھا۔

ابھی چند منٹ پہلے تو یہ بزرگ خاتوں یہاں برآمدے میں کھڑی تھیں معلوم نہیں اب کہاں غائب ہوگئی ہیں۔ ڈاکٹر نے خود بھی حیران اور پریشان ہو کر برآمدے میں ادھر اُدھر دیکھا۔ حیران ہو کر ڈاکٹر صاحب پھر کمرے کے اندر آ گئے۔ اندر آ کر ان کی نظر اچانک میری الماری پر رکھے

Marfat.com

فریم پر پڑ گئی۔ ''یہ ہیں وہ بزرگ خاتون جو مجھے میرے کلینک پر ابھی آپ کی بیماری کی اطلاع دینے گئی تھیں اور اپنے ساتھ مجھے یہاں آپ کے گھر لائی ہیں''۔ ڈاکٹر صاحب نے فریم میں تصویر کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے حیرانی اور تجسس سے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر صاحب یہ تو میری والدہ مرحومہ ہیں جنہیں فوت ہوئے کئی سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ الفاظ سن کر ڈاکٹر صاحب تو اس عجیب اور پراسرار بات پر حیران ہوئے اپنا بیگ لے کر چلے گئے اور میں والدہ مرحومہ کی تصویر کو سامنے رکھے کتنی ہی دیر تک پیار و محبت اور عقیدت سے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ یہ یقیناً میری مرحومہ والدہ کی روح تھی جو اس مصیبت کے وقت ممتا کے لافانی جذبے کے تحت روحانی طاقت سے اپنی اولاد سے رشتہ قائم رکھتی ہے اور مر کر بھی اولاد کے لیے حفاظت اور تحفظ کا حصار بنی رہتی ہے''۔

انسان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی باقی جاندار مخلوق حیوانات چرند، پرند اور درندوں میں ہر ایک ماں اپنے بچوں سے اسی انداز میں پیار کرتی ہے جیسے انسان۔ آپ گھونسلے میں چڑیا کے بچے کو چھیڑ کر دیکھیں تو یہ نحیف اور کمزور پرندہ کس طرح چیخ چیخ کر پکار کرتا ہے۔ کوے کے بچے کو چھیڑیں تو وہ کائیں کائیں کر کے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام جاندار مخلوق میں ماں کا کردار انتہائی اہم ہے۔

مڈل کلاس سلانوالی سے پاس کرنے کے بعد جب نویں کلاس میں داخل ہونے کے لیے داخلہ فیس مانگی تو والد صاحب فرمانے لگے کہ آٹھ جماعتیں کافی ہیں۔ مالیہ کی پرچی دیکھنے کے قابل ہو گئے ہو مزید تعلیم کے لیے وہ خرچہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس زمانہ میں گاؤں میں جو شخص مالیہ کی پرچی پڑھ لیتا تھا اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لوگ خط پڑھانے کے لیے پڑھے لکھے شخص کی تلاش میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا کر خط پڑھاتے تھے۔ میں نے ماں جی کو کہا کہ میں آئندہ تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں آپ والد صاحب سے کہیں کہ وہ مجھے داخلہ فیس کے لیے پیسے دیں۔

قارئین کرام! میں اپنی ماں کے ان جذبات کا اظہار کن الفاظ میں بیان کروں جو اس وقت میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھے۔ اللہ اللہ ماں بھی کیا ہستی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کے لیے کس قدر تڑپ پیدا کر دی ہے۔ بالآخر اماں جی نے والد صاحب کو رضامند

Marfat.com

کرلیا۔ والد صاحب نے فیس کی رقم 5 روپے نو آنے میرے حوالہ کی اور ساتھ ہی از راہ تمسخر فرمانے لگے کہ دیکھتے ہیں تم پڑھ کر کیسے مجسٹریٹ (مجسٹریٹ) بن جاتے ہو۔

میں نے چک 34 جنوبی ہائی سکول میں نویں جماعت میں داخلہ لے لیا اور اس طرح تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ فیس کی ادائیگی میں مشکلات پیش آتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور پیاری ماں کی دُعاؤں سے سلسلہ چلتا رہا۔ وہ پیسہ پیسہ بچا کر ایک مٹی کے برتن (ڈولی) میں رکھتی رہتیں جب والد صاحب کے پاس پیسے نہ ہوتے تو والدہ صاحبہ سہارا بن جاتیں۔ میں نے بچت کرنے کی عادت اپنی ماں سے ہی سیکھی ہے۔

ایف اے تک گورنمنٹ کالج سرگودھا سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ملازمت تلاش کی۔ پولیس میں بھرتی ہو کر انتہائی چھوٹے عہدہ یعنی کانسٹیبل سے ملازمت کا آغاز ہوا لیکن اس پر بھی میں نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اماں جی کہتیں ''پتر وڈیاں عہدیاں وچہ کچھ نہیں پیا بندے نوں بندہ ٹھیک ہونا چاہی دا اے''۔ اماں جی کے ان الفاظ سے میری ڈھارس بندھ جاتی۔ ویسے بھی میری سوچ کے مطابق عزت بڑے عہدوں میں نہیں بلکہ اچھی انسانیت میں ہوتی ہے۔ میرے نزدیک ایک با اصول اور با کردار کانسٹیبل ایک بے اصول اور بدکردار ایس پی سے بدرجہا بہتر ہے۔

1973ء میں میرے والدین حج پر گئے۔ جب وہ حج سے واپس آئے تو میں سوبھا گہ ریلوے سٹیشن پر باقی عزیزوں کے ساتھ اُن کے استقبال کے لئے پہنچا۔ والدین ٹرین سے اترے تو ایسے لگا جیسے جنت کی ہواؤں نے اِدھر کا رُخ کر لیا ہے۔ اماں جی سے ملا جنہوں نے ماتھا چوما پھر والد صاحب نے دستِ شفقت سر پر پھیرا۔ اس وقت ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام کائنات کی خوشیاں سمٹ کر یہاں آ گئی ہیں۔

سروس کے دوران مجھے اکثر حسرت رہتی کہ اماں جی کچھ وقت میرے پاس گزاریں تا کہ ان کی خدمت کا موقع ملے لیکن گاؤں کے ماحول سے وہ بہت زیادہ مانوس تھیں۔ ویسے بھی باقی بیٹے بیٹیاں، بھائی بہن اور دوسرے عزیز و اقارب گاؤں میں ہی رہتے تھے۔ اپنی بڑی بیٹی سے انہیں جنون کی حد تک محبت تھی جو اماں جی کے پاس ہی رہتی تھی۔ اماں جی کو میں اپنے پاس لے آتا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ گاؤں جانے کی خواہش کرتیں۔ میں اُن کو خوش رکھنا چاہتا تھا چنانچہ ان کی

Marfat.com

خواہش پر عمل کرکے انہیں گاؤں بھیج دیتا۔ گاؤں جاتے ہوئے مجھے حکم دے جاتیں کہ روزانہ شام کو ٹیلیفون کرنا ہے۔ میں اُن کے حکم کی تعمیل کرتا۔ جب کبھی مصروفیت کی وجہ سے ٹیلیفون نہ کر پاتا تو دوسرے روز باقاعدہ جواب طلبی ہوتی کہ ٹیلیفون کیوں نہیں کیا تھا۔ ماں ہی ایک ایسا رشتہ ہے جو اولاد کے لئے تا دم رہتی ہے۔ اولاد کو بھی ہر دکھ اور مصیبت میں ماں ہی یاد آتی ہے کیونکہ یہ ایسا رشتہ ہے جو انسان کے تمام دکھوں کا مداوا بنتا ہے۔

لاہور میں تعیناتی کے دوران میں اماں جی کو گاؤں سے لاہور اپنے پاس لے آتا اور پھر ان والے دن تاریخی مقامات، چڑیا گھر، شاہی قلعہ، شاہی مسجد اور مختلف پارکوں کی سیر کراتا۔ فوارے کی سلیڈ میں بڑا جھولا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتیں۔ جب وہ میرے ساتھ ہوتیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے ساری کائنات میرے ساتھ ہے۔

ایک دفعہ جنگلہ میں لاہور ہی میں تعینات تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ فیملی نہ تھی۔ 6 بجے شام میں رہائش تھی۔ اماں جی کہنے لگیں "پتہ ایہہ دس کہ وڈے لوک مری کیوں جاندے نیں"۔ میں نے بتایا کہ مری کا پہاڑ کافی اونچا ہے۔ اس کی چوٹی پر مری شہر آباد ہے۔ اونچائی پر ہونے کی وجہ سے وہاں ٹھنڈ رہتی ہے اور لوگ گرمیوں میں اس ٹھنڈے علاقہ میں چلے جاتے ہیں۔ "نیں پتہ ایہہ کس طرح؟" اچھا علاقہ تاں دیہوں دے زیادہ نیڑے ہوندا اے اوتھے تاں زیادہ گرمی ہونی چاہی دی اے"۔ اماں جی نے کہا۔ میں نے جواب بتایا کہ جتنا اوپر چلے جائیں اتنی ٹھنڈ زیادہ ہوتی جاتی ہے "اچھی پتہ اللہ دیاں اللہ جانے" اماں جی نے کہا۔ میں نے اماں جی سے پوچھا کہ آپ مری دیکھنا چاہتی ہیں۔ جس پر اماں جی خوشگوار موڈ میں فرمانے لگیں "پتہ زندگی دا اوہی پتہ نہیں اے۔ مری دی سیر کرا دیوتاں میں وی پنڈ وچ جاکے آکھساں کہ میں پتہ مینوں مری دی سیر کرائی اے"۔ میں نے دوسرے روز سات یوم کی رخصت لے لی۔ اماں جی اور بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر مری چلا گیا۔ وہاں مری کی سیر کرائی۔ پھر پتریاٹہ چلے گئے اور جھولوں کا نظارہ کیا۔ تین دن سیر کرنے کے بعد واپس لاہور آ گئے۔

اماں جی جب لاہور آتیں تو اکثر حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف کی زیارت کی فرمائش کرتیں۔ اُن کو مزار شریف کی زیارت کرائی جاتی جہاں نفل وغیرہ پڑھ کر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتیں۔

Marfat.com

ماں ایک نظر سے اپنی اولاد کے اندر جھانک کر دیکھ لیتی ہے۔اس ضمن میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔''موہن نامی ایک شخص کو اپنی ماں سے بہت پیار تھا اور وہ بھی ماں کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ایک دِن اپنی ماں سے کہا ماں جی میں نے دنیا کے تمام علوم کی ڈگریاں حاصل کر لی ہیں۔جس عالم اور سکالر کے ساتھ علم کا مناظرہ کرتا ہوں جیت جاتا ہوں۔ ماں نے کہا بیٹا اور علم حاصل کرو۔ کچھ دن بعد موہن پھر اپنی ماں کو وہی بات کہنے لگا۔ ماں نے پھر کہا نہیں بیٹا اور علم حاصل کرو۔ تیسری مرتبہ جب ماں کو پھر وہی الفاظ کہے تو ماں نے کہا اچھا بیٹے اگر تمہیں اپنے علم پر ناز ہے تو ایسا کرو کہ فلاں گاؤں کے راستے میں ایک جھونپڑی میں فقیر رہتا ہے جس کا نام میاں کبیر ہے۔اس کے ساتھ جا کر مناظرہ کرو۔اگر تم اس فقیر سے جیت گئے تو پھر میں مان لوں گی کہ تم نے تمام علوم پر عبور حاصل کر لیا ہے۔

موہن سیدھا جھونپڑی میں فقیر کے پاس پہنچا اور اُسے مناظرہ کی دعوت دی۔فقیر میاں کبیر نے اُسے کہا کہ بھئی مناظرے کی کوئی ضرورت نہیں،تم جیت گئے اور میں ہار گیا۔موہن کہنے لگا کہ مجھے لکھ کر دیں تا کہ اپنی ماں کو دکھا سکوں۔میاں کبیر نے اُسے لکھ کر دیا کہ ''موہن جیتا کبیر ہارا''۔ وہ یہ تحریر لے کر خوشی خوشی سیدھا ماں کے پاس پہنچا اور اُنہیں تحریر دکھائی۔ ماں نے کہا کہ بیٹا مجھے پڑھ کر سناؤ۔ جب موہن نے تحریر پڑھی تو اس پر لکھا تھا موہن ہارا کبیر جیتا۔ ماں نے کہا پھر تو تم ہار گئے ہو۔''نہیں ماں لکھنے میں غلطی لگ گئی ہوگی'' موہن بولا اور وہ پھر دوڑا دوڑا سیدھا میاں کبیر کے پاس گیا اور کہا کہ جناب لکھنے میں غلطی لگ گئی ہے اس کو درست کر دیں۔میاں کبیر نے کہا کہ کیا غلطی ہوگئی ہے پڑھ کر سناؤ۔ موہن نے تحریر پڑھی تو اس پر لکھا تھا کہ موہن جیتا کبیر ہارا۔موہن دوڑتا ہوا پھر ماں کے پاس آیا۔ ماں کے کہنے پر پھر تحریر پڑھی تو اس پر پھر یہ لکھا تھا کہ موہن ہارا کبیر جیتا۔تیسری مرتبہ جب پھر اسی طرح ہوا تو موہن اپنی ماں کے قدموں پر گر پڑا۔ ماں نے کہا جاؤ بیٹا میاں کبیر کے سامنے ہار تسلیم کر کے معافی مانگو۔ چنانچہ موہن جا کر میاں کبیر کے قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ اسے اب پتہ چلا ہے کہ اصل علم تو صرف اللہ کے بندوں کے پاس ہوتا ہے۔''

ماں کا پیار سمندر کی مانند ہے جو ہر وقت جوش میں رہتا ہے۔اگر جنت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس میں دودھ کی نہریں ہیں تو پھر ماں اپنے بچے کے لئے جنت ہے۔جو لوگ ماؤں کے نافرمان ہوتے ہیں وہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کے بھی نافرمان ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

میری ماں کی زندگی میں ایک غیبی طاقت میرا ساتھ دیتی رہی اور زندگی کے ہر موڑ پر میری راہنمائی کرتی رہی۔ مشکل سے مشکل وقت، سخت سے سخت ڈیوٹی اور پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمات کی تفتیشوں میں اس غیبی طاقت نے ہر لمحہ میری امداد کرتے ہوئے مجھے درست سمت پر چلایا اور ایسا راستہ دکھایا جاتا جو کامیابی کی طرف جاتا۔ میرا ایمان اور پختہ یقین ہے کہ وہ غیبی طاقت جو میری راہنمائی کر کے درست سمت پر چلاتی رہی وہ میری پیاری ماں کی دعائیں تھیں۔

یہ کامیابیاں یہ عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے وہ مقام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کہیں ناداں
یہ میری جیت کا سارا اہتمام تم سے ہے

ضمیر جعفری مرحوم کا شعر ہے۔

یہ نعمتیں یہ راحتیں یہ عزتیں یہ شہرتیں
دنیا میں جو کچھ بھی ملا تیری دعاؤں سے ملا

## اسلامی قومی اتحاد

میں نے اپنی چالیس سالہ سروس کے دوران کئی سیاسی، مذہبی، طلباء اور مزدوروں کی تنظیموں کے احتجاجی جلوس اور تحریکیں دیکھی ہیں جن میں امن وامان قائم رکھنے کیلئے ڈیوٹی بھی دیتا رہا ہوں، لیکن جتنی پرجوش اور منظم تحریک 1977ء میں قومی اتحاد (نو ستارے) کی ذوالفقار علی بھٹو، جو اس وقت ملک کے سربراہ تھے، کے خلاف تھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ روزانہ ہر شہر میں بڑے بڑے جلوس نکلتے اور گرفتاریاں پیش کی جاتی تھیں۔ یہ تحریک گزشتہ الیکشن میں دھاندلی کے خلاف تھی۔

ان دنوں میں بطور انسپکٹر انچارج تھانہ گلبرگ فیصل آباد میں تعینات تھا۔ تھانہ کی عمارت خلاف محمد آباد موڑ قبرستان کے سامنے گلشن کالونی میں شفٹ کر لی تھی۔ اس سے پہلے گلشن کالونی کے اندر ملک اللہ دتہ کی کوٹھی میں تھانہ تھا۔

ہمارے علاقہ مجسٹریٹ عزیز احمد خان جو انتہائی اچھے انسان تھے اور میں دونوں اکٹھے اپنی فورس کے ہمراہ ڈیوٹی دیتے تھے روزانہ صبح سویرے نڑ والا چوک نزد دھوبی گھاٹ پہنچ جاتے اور

Marfat.com

جلوسوں میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے اپنے فرائض سرانجام دیتے۔ گرفتاریوں' لاٹھی چارج اور ٹیئر گیس کے استعمال کے باوجود دن بدن تحریک زور پکڑتی گئی۔ نعرۂ تکبیر پر دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کا مجمع جمع ہو جاتا اور اللہ اکبر کی آوازیں فضا میں گونجنے لگتیں۔ ایسے محسوس ہوتا جیسے کوئی غیبی طاقت ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

ایک روز میں اور عزیز احمد خان مجسٹریٹ بمعہ اپنی فورس کے نڑوالا چوک میں موجود تھے۔ ملک امجد مجسٹریٹ نے وائرلیس پر کنٹرول کو اطلاع دی کہ ایک بہت بڑے جلوس نے اُس کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ وہ گھنٹہ گھر کے مینار کے ساتھ چھپ کر کھڑا ہے لوگ اس کی طرف روڑے پھینک رہے ہیں۔ پولیس فورس پیچھے چلی گئی ہے فوراً فورس بھجوائی جاوے۔ میں نے یہ پیغام وائرلیس پر سُن کر کنٹرول کو کہا کہ جناب امیر صاحب (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) اور جہانگیر صاحب (ایس ایس پی) کو کہیں کہ اگر وہ اجازت دیں تو میں اور مجسٹریٹ صاحب اپنی فورس لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں وائرلیس کے ذریعہ وہاں پہنچنے کی اجازت مل گئی۔ ہم نے اپنی فورس کے ہمراہ بھوانہ بازار سے گزر کر جلوس جو گھنٹہ گھر کی طرف پتھراؤ کر رہا تھا، کو وارننگ دے کر پیچھے سے لاٹھی چارج شروع کر دیا اور ساتھ ہی ٹیئر گیس کی شیلنگ کی۔ لوگوں نے ہم پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ میری چھاتی پر بھی دو روڑے لگے لیکن ہم جلوس کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ملک امجد مجسٹریٹ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اُن کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ کہنے لگے کہ اگر آج آپ وقت پر نہ پہنچتے تو میری جان خطرے میں تھی۔

ایک روز ایک بہت بڑا جلوس تھانہ گلبرگ کے سامنے موڑ قبرستان پر پہنچا۔ جلوس کے شرکاء میں سے کسی شرپسند نے پولیس کے ٹرک پر خود ساختہ بم پھینکا۔ ٹرک میں بیٹھے ہوئے ملازمین میں سے ایک ملازم کے پیٹ کے نیچے نازک حصہ پر لگا جس سے وہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ اس کو پک اَپ میں ڈال کر فوراً ہسپتال بھجوایا گیا۔ ملازمین نے اشتعال میں آ کر شرکائے جلوس پر لاٹھی چارج شروع کر دیا جس میں کچھ شریف لوگ مولانا محمد اشرف اشرف لیبارٹری والے اور مولانا فضل کریم اور فضل عظیم وغیرہ شامل تھے زخمی ہو گئے جن کو بھی ہسپتال بھجوایا گیا۔ یاد رہے کہ عام طور پر ایسے جلوسوں میں شریف لوگوں کو ہی مار پڑتی ہے کیونکہ شرپسند تو شرارت کر کے فوراً پیچھے کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور شریف لوگ جو خود اعتمادی کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں اُن کو مار پڑ جاتی ہے۔

Marfat.com

عام طور پر ایجنسیوں کے مثلاً سپیشل برانچ اور آئی بی کے لوگ جو سفید کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں اُن کو بھی لاٹھی چارج کے دوران مار پڑ جاتی ہے۔ اس میں کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد قومی اتحاد کے لیڈروں نے فیصلہ کیا کہ شرکائے جلوس میں سے جلوس کے اختتام پر چار اشخاص روزانہ گھنٹہ گھر میں اپنی گرفتاری پیش کریں گے۔

ایک روز شرکائے جلوس جھنگ بازار میں جامع مسجد میں اکٹھے ہوئے۔ اُن میں سے چار اشخاص نے گھنٹہ گھر اپنی گرفتاری پیش کرنی تھی۔ انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ مسجد کے گیٹ پر گرفتاری پیش کریں۔ گھنٹہ گھر جانے کی اجازت نہیں دے گی لیکن شرکائے جلوس بضد تھے کہ ان میں سے چار اشخاص گھنٹہ گھر پہنچ کر گرفتاری دیں گے۔

مسجد کے گیٹ کے باہر پولیس فورس لگا دی گئی۔ اُن کا انچارج ایک ڈی ایس پی تھا۔ اُن کو ہدایت تھی کہ گرفتاری دینے والے اشخاص کو یہاں ہی روکنا ہے۔ آگے گھنٹہ گھر کی طرف نہیں جانے دینا۔ اس سے آگے چوک میں میری اور عزیز احمد خان مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔ ہمیں یہ ہدایت تھی کہ اگر گرفتاری دینے والے اشخاص مسجد کے گیٹ پر پولیس کا محاصرہ توڑ کر آگے آ جائیں تو ہم نے اُن کو آگے سے روکنا ہے گھنٹہ گھر کی جانب ہرگز نہیں جانے دینا۔ ہم نے چوک میں اپنی فورس لگا دی۔ فرنٹ لائن پر ملازمین کو Chain کی شکل میں کھڑا کر دیا گیا۔ ہم مکمل طور پر تیار تھے کہ اگر گرفتاری دینے والے اشخاص یہاں تک پہنچ گئے تو اُن کو کسی قیمت پر آگے گھنٹہ گھر کی طرف نہیں جانے دینا بلکہ اوھر ہی گرفتار کرنا ہے۔ ٹھیک گیارہ بجے دن اُن لوگوں نے مسجد سے نکلنا تھا۔ مقررہ وقت پر ہم سب الرٹ ہو گئے۔ مسجد کے اندر سے نعرہ بازی شروع ہو گئی اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ اچانک ہم کیا دیکھتے ہیں کہ چار باریش جوان گلے میں گلاب کے پھولوں کے ہار پہنے اور ہاتھ میں تسبیحاں پکڑے مسجد کے گیٹ پر تعینات پولیس فورس کا محاصرہ توڑ کر ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہم مزید ہوشیار ہو گئے۔ آناً فاناً وہ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ میں فرنٹ لائن پر ملازمین کی مضبوط Chain بنا کر کھڑا تھا۔ وہ چاروں جوان اللہ ہو، اللہ ہو کا ورد کرتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے اور اپنی چھاتیاں ہماری چھاتیوں پر مار کر ہمیں پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی زور زور سے اللہ ہو کا ورد کر رہے تھے۔ وہ نہ تو ہم سے ہاتھا پائی ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کوئی اور حرکت کی۔ صرف اپنی چھاتیاں ہماری چھاتیوں سے ٹکرا کر ہمیں پیچھے کی طرف دھکیل کر

Marfat.com

راستہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے کہ گھنٹہ گھر تک پہنچ جائیں کیونکہ اُن کا یہ فیصلہ تھا کہ گرفتاری گھنٹہ گھر میں ہی پہنچ کر دینی ہے۔ ایک معجزہ جو دیکھنے میں آیا کہ اللہ ہو کے وِرد سے وہ روحانی طور پر ہم پر آہستہ آہستہ غالب آتے گئے اور ہماری Chain ڈھیلی ہوتی گئی۔ آخر کار ہماری Chain ٹوٹ گئی اور وہ چاروں جوان دوڑتے ہوئے گھنٹہ گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں انہوں نے گرفتاری پیش کی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اُس روز کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ انتظامیہ اور شرکائے جلوس دونوں اپنی اپنی ضد پر آخر وقت تک ڈٹے رہے تھے۔ اس سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انتظامیہ کا فیصلہ درست نہیں تھا۔ جس طرح وہ پہلے پرامن طور پر روزانہ گھنٹہ گھر گرفتاری پیش کر رہے تھے اس روز بھی اُنہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دینی چاہئے تھی۔ جو بھی مسئلہ مذاکرات کے ذریعہ خوش اسلوبی اور پرامن طریقہ سے حل ہو رہا ہو اس میں ضد کرنا مناسب نہیں ہوتا کیونکہ اس سے منفی اثرات پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔)

Marfat.com

ڈی جی خان کے شہری احمد خان چدھڑ کو ہار پہنا رہے ہیں

احمد خان چدھڑ ایک تقریب کے موقع پر

Marfat.com

احمد خان چدھڑ اور دوسرے افسران رحیم یار خان میں

جناب چوہدری تنویر احمد ایس ایس پی لاہور احمد خان چدھڑ کے دفتر میں چوہدری حامد مختار گوندل اور عبدالرؤف ڈوگر ا بیٹھے ہیں

Marfat.com

Marfat.com

احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان چوہدری محمد شفیع ڈی آئی جی کے ہمراہ

ڈویژنل پبلک سکول ڈی جی خان کی ایک تقریب میں (1) احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان (2) محمود بٹ صاحب ڈپٹی کمشنر ڈی جی خان (3) پرنسپل ڈویژنل پبلک سکول ڈی جی خان

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ دیگر پولیس افسران کے ساتھ

Marfat.com

جناب رانا مقبول احمد ایس ایس پی لاہور جناب احمد خان چدھڑ کو تعریفی سند دیتے ہوئے

جناب احمد خان چدھڑ ایس پی سی آئی اے جناب جاوید نور ایس ایس پی کے ہمراہ

Marfat.com

چوہدری تنویر احمد ایس ایس پی لاہور سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں داخل ہو رہے ہیں
ان کے ہمراہ احمد خان چدھڑ اور مسعود عزیز ہیں

جناب احمد خان چدھڑ ڈی ایس پی سی آئی اے کے تبادلہ
کے موقع پر جناب گل اصغر ایس پی سی آئی پھولوں کے ہار پہنا رہے ہیں

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ اپنے دفتر میں

جناب چوہدری تنویر احمد ایس ایس پی لاہور جناب احمد خان چدھڑ کے دفتر میں
چوہدری حامد مختار گوندل اور عبدلرؤف ڈوگر کے ساتھ بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ دیگر پولیس افسران کے ساتھ

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان برآمد شدہ ناجائز اسلحے کا معائنہ کر رہے ہیں

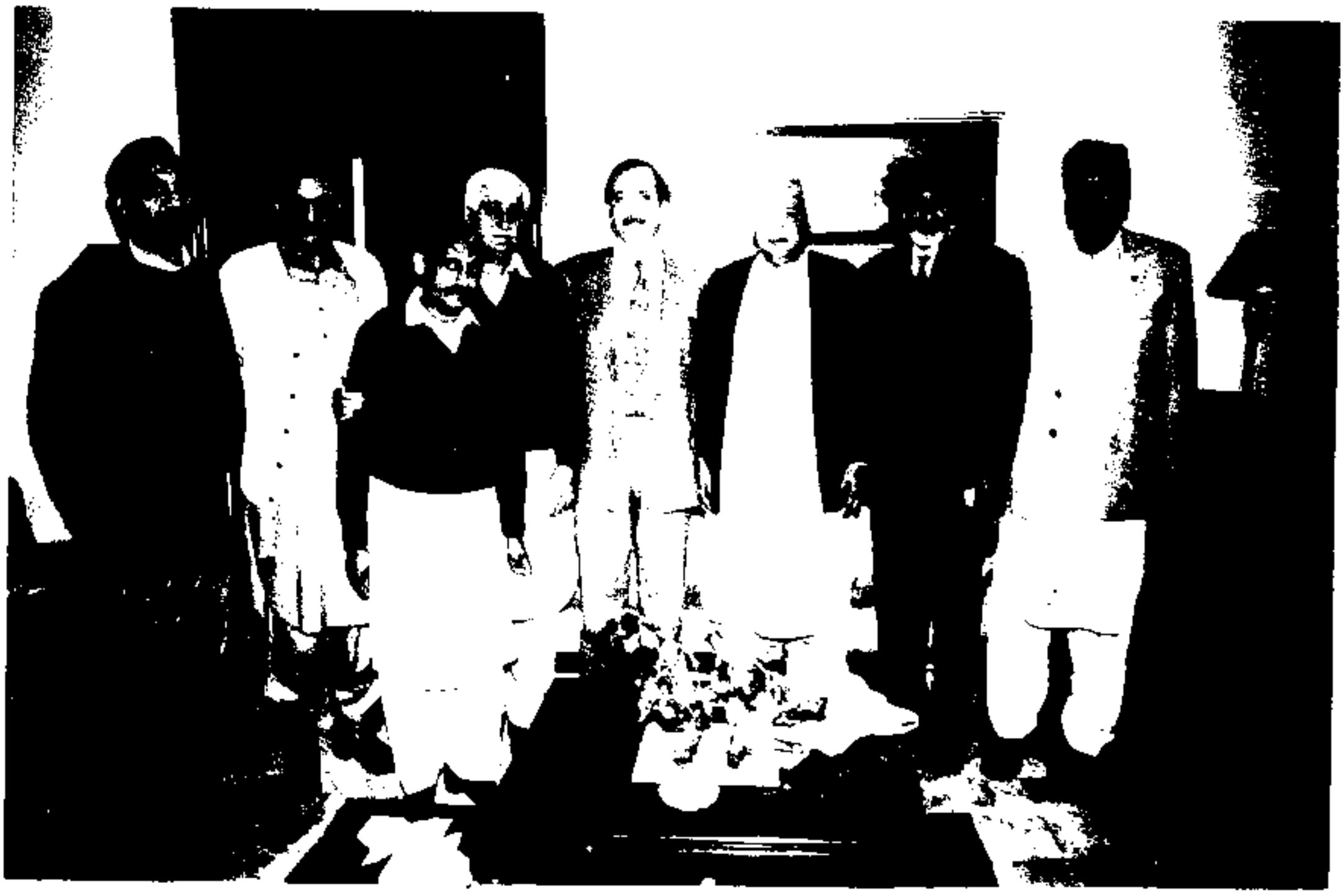

جناب احمد خان چدھڑ ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریب میں

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی جی ڈی خان ریٹائرمنٹ کے موقع پر
سید شوکت علی شاہ کمشنر بہاولپور بائیں طرف اور علوی صاحب کمشنر ڈیرہ غازی خان دائیں طرف

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان اپنے دفتر میں

Marfat.com

جناب احمد خان چیدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان پریڈ کا معائنہ کر رہے ہیں

جناب احمد خان چیدھڑ ایس ایس پی جناب میاں محمد نواز شریف سابق وزیر اعظم پاکستان سے مصافحہ کر رہے ہیں درمیان میں ملک محمد اقبال ڈی آئی جی نظر آ رہے ہیں

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ایک تقریب میں ملک محمد اقبال ڈی آئی جی ڈیرہ غازی خان کے ساتھ

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان ایک تقریب میں چوہدری محمد شفیع ڈی آئی جی ڈیرہ غازی خان دائیں طرف اور راؤ امین ہاشم ایس ایس پی بائیں طرف

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان جناب محمود بٹ ڈپٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان کے ساتھ بیٹھے ہیں

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈیرہ غازی خان پولیس افسران اور جوانوں سے خطاب کر رہے ہیں

Marfat.com

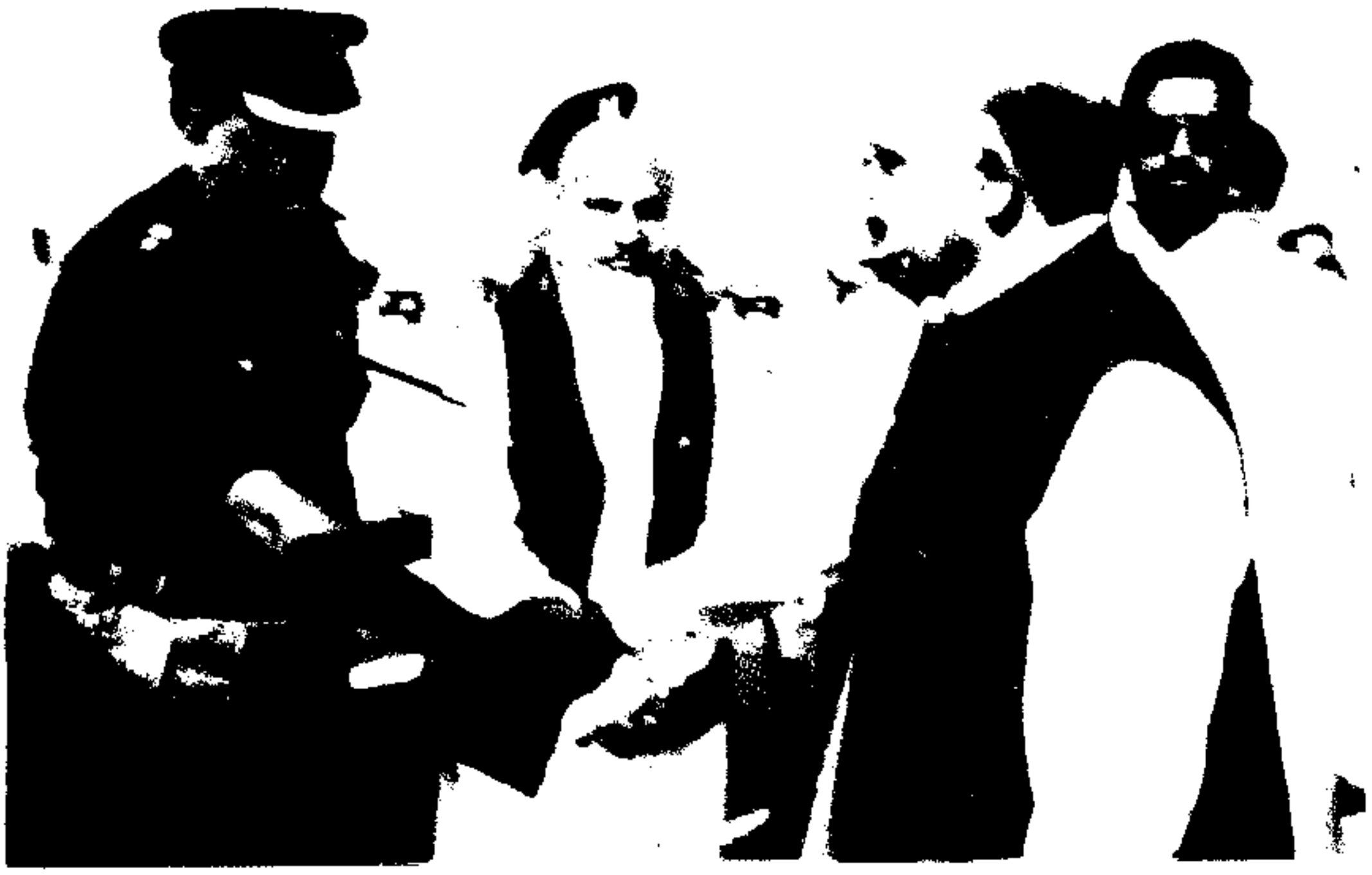

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان، وزیر اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف سے
ہاتھ ملا رہے ہیں درمیان میں محمود بٹ ڈپٹی کمشنر ڈی جی خان کھڑے ہیں

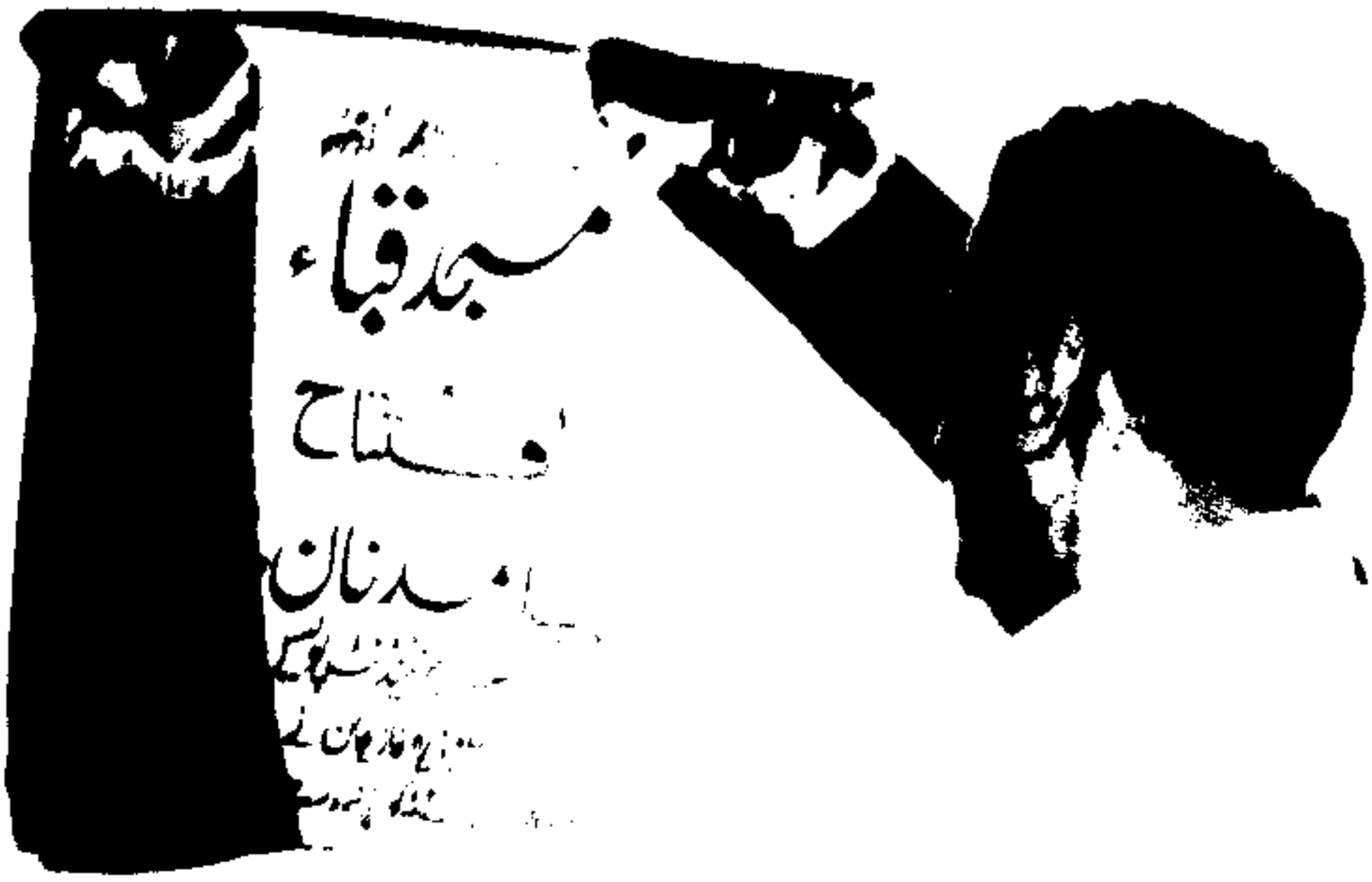


جناب احمد خان چدھڑ سخی سرور پولیس چیک پوسٹ پر مسجد تعمیر کرنے کا افتتاح کر رہے ہیں

Marfat.com

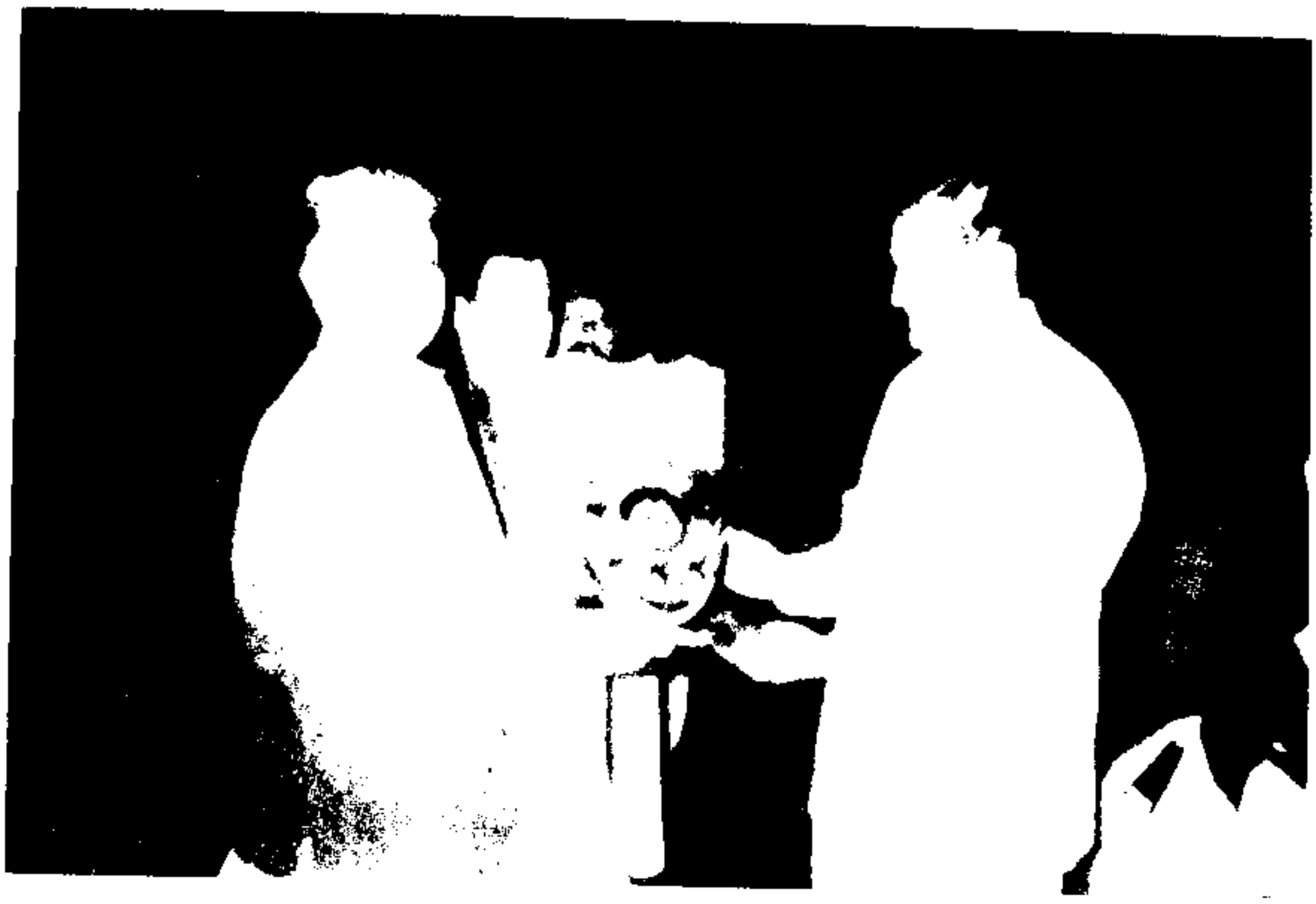

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان و مورخہ 13 اکتوبر 2000ء کو ریمانڈ منت کے موقع پر
جناب پرویز رحیم راجپوت ڈی آئی جی شیلڈ دے رہے ہیں

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان و سردار جمال خان لغاری درخواستیں پیش کر رہے ہیں
ساتھ سردار جعفر خان لغاری بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ایس ایس پی ڈی جی خان ریٹائرڈ کرنل سعید احمد ڈی آئی جی ڈی جی خان
کو شیلڈ پیش کر رہے ہیں

جناب احمد خان چدھڑ ریٹائرمنٹ کے موقع پر

Marfat.com

جناب احمد خان چدھڑ ریٹائرمنٹ کے بعد

Marfat.com

Marfat.com

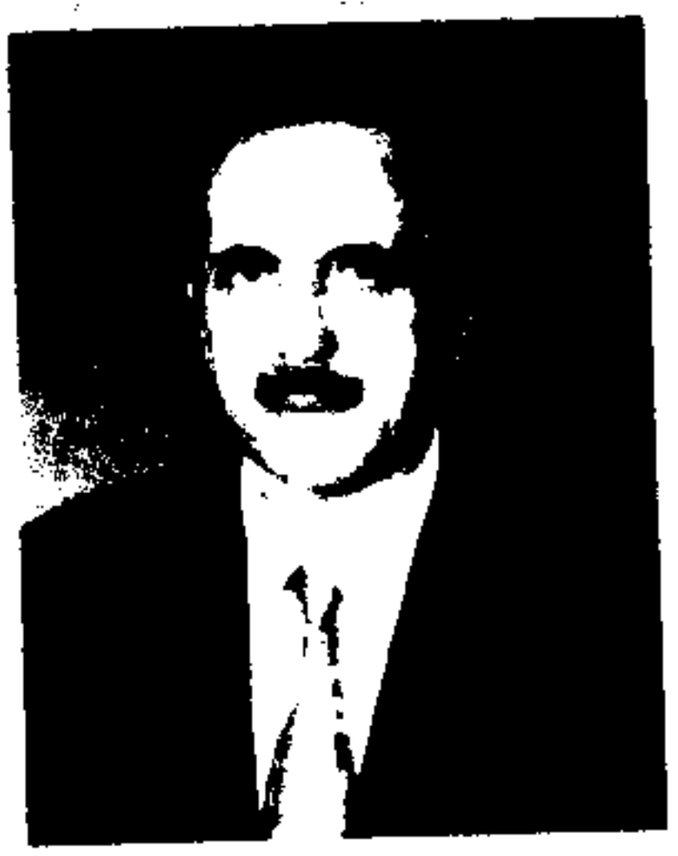

# کچھ اس کتاب کے بارے میں

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ٹریننگ مفید ہے لیکن تجربے کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب تجربہ بول رہا ہو تو تربیت کو لازم ہے کہ زانوئے تلمذ تہہ کر کے ہمہ تن گوش ہو جائے۔ چوہدری احمد خان چدھڑ صاحب کی کتاب "جرم نشان ہے" تجربے اور تربیت کا حسین امتزاج ہے۔ ان کا شمار ان معدودے چند افسران میں ہوتا ہے جو محکمے کی شناخت بن گئے ہیں۔ جب میرا تبادلہ بطور ڈپٹی جی خان ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ وہاں کا ایس ایس پی بڑا زیرک، معاملہ فہم، محنتی اور ایماندار آفیسر ہے۔ ہر چند کہ چوہدری صاحب کا نام سارے پنجاب میں مشہور تھا لیکن ذاتی طور پر میری ان سے شناسائی نہ تھی۔ جب میں ان سے ملا اور ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھا تو ان کی شخصیت کے پرت ایک ایک کر کے کھلتے گئے۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ راوی نے ان کی کردار نگاری میں بخل سے کام لیا ہے۔

وطن عزیز میں تفتیش ایک مشکل عمل ہے۔ پولیس کے پاس نہ تو جدید تفتیشی آلات ہیں اور نہ وہ سائنٹیفک ٹیکنیکس سے آگاہ ہے۔ روایتی طریقے بڑے صبر آزما، مشکل اور تکلیف دہ ہیں۔ تفتیش کا آغاز ہی گھپ اندھیروں سے ہوتا ہے۔ معاشرے کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ لوگ تعاون نہیں کرتے۔ چوہدری صاحب کا تفتیش کرنے کا اپنا طریقہ ہے جو بڑا موثر ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ باڈی لینگویج کے ماہر ہیں۔ ملزم کی بات چیت، حرکات وسکنات، چہرے کے اتار چڑھاؤ اور تنفس کے زیر و بم سے اس کا ذہن پڑھنے اور واردات قلب جاننے اور اس طرح واقعات کی کڑیاں ملانے اور ان کی تہہ تک پہنچنے میں ید طولےٰ رکھتے ہیں۔ انہوں نے پولیس سروس کا آغاز بطور ایک کانسٹیبل کے کیا لیکن جلد ہی حکام بالا نے ان کے اندر چھپا ہوا چوہدری احمد خان دریافت کر لیا اور یہ ایک تسلسل اور تواتر کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ایس ایس پی کے عہدے تک جا پہنچے۔

کتاب کا مرکزی حصہ اُن جرائم کی دلچسپ، چونکا دینے والی روئیداد ہے جن کی تفتیش چوہدری صاحب نے کی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ بقول ان کے جرم اکثر زر، زن اور زمین کی تثلیث سے جنم لیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سزا کے موضوع پر آج تک اُردو زبان میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں یہ کتاب ان میں ایک منفرد اضافہ ہے۔ جہاں ایک قاری کے لئے اس میں دلچسپی اور ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے کئی پہلو ہیں وہاں محکمے کے اہلکاروں اور افسران کے لئے بھی یہ ایک گائیڈ اور ریفرنس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مطالعے سے ایک عمومی تاثر جو ذہن میں ابھرتا ہے کہ وردی کے اندر بھی ایک آدمی ہے جس کے سینے میں ایک عام انسان کا سا دل ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ قاری بھی مصنف کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور ایک پل، ایک گھڑی کے لئے بھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔

شوکت علی شاہ

سیکرٹری انفارمیشن کلچر و امور نوجوانان

Marfat.com